طاہر مسعود
پی ایچ-ڈی سکالر، نمل، اسلام آباد

''بوڑھا اور سمندر'' (ہیمنگوے): ایک تجزیاتی مطالعہ

Tahir Masood
Phd Scholar, NUML, Islamabad.

"Old man and The Sea": An Analytical Study

This novel is about great physical and spiritual struggle and adventure of an old Cuban fisherman Santiago in the Gulf Stream near Cuba. It sets forth the fishing life of the sailor at sea and his stay on land and his relationship with a boy, Manolin, with the owner of the restaurant and with other fishermen. It is more concerned with the thoughts or philosophy of the protagonist of the story. The inner life and character of Santiago in relation to his physical struggle on the sea and his true achievement as distinct from his outward failures are highlighted.

ارنسٹ ہیمنگوے کی زندگی کا مطالعہ کیے بغیر ہم ان کے کام کو نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ ان مصنفین میں سے ایک ہیں جن کی ذات ان کے کام پر گہری چھاپ ڈالتی ہے۔ہمیں ہیمنگ وے کی شخصیت سے تین پہلوؤں سے متعارف ہونا ہوگا۔ہیمنگوے بطور انسان، بطور مصنف، بطور داستان گو اور یہ کہنا مشکل ہے کہ کہاں سے ایک پہلو شروع ہوتا اور کہاں دوسرا جڑتا ہے۔

مصنف کی کتابیں اس کی زندگی کے حادثات و واقعات کا مجموعہ ہیں ایک انسان ہیمنگوے اور ایک قلم کار ہیمنگوے نے مل کر ایک داستان گو ہیمنگوے کو جنم دیا ہے۔ وہ ۲۱ جولائی ۱۸۹۹ء کو اوک پارک (امریکہ) میں پیدا ہوا اس کی والدہ گریس ہال کی رہنے والی تھیں اور فن موسیقی میں خاص مہارت رکھتی تھیں اس کے والد کلیرنس ایڈمونڈ ہیمنگوے ایک سیلانی آدمی تھے جن کو جنون کی حد تک شکار اور مچھلیاں پکڑنے کا شوق تھا۔ بچپن میں ماں اور باپ ہیمنگ وے کے مستقبل کے بارے میں لڑتے رہتے۔ماں چاہتی کہ ہیمنگوے موسیقی کے میدان میدان میں قدم رکھے مگر والد کا خیال تھا کہ وہ بیرونی دنیاؤں کی سیاحت کرے اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائے۔آخر کار یہ لڑائی باپ نے جیت لی اور جب ہیمنگ وے تین سال کا تھا تو اس نے بچے کو پہلا تحفہ مچھلی پکڑنے کا راڈ لا کر دیا اور جب وہ گیارہ برس کا ہوا تو والد نے اسے ایک بندوق لا کر دی۔

اوک لینڈ کے سکولوں میں پڑھائی معیاری تھی۔ہیمنگ وے نے بائبل اور انگلش کلاسک لٹریچر کی تعلیم ابتدائی کلاسوں میں حاصل کی۔وہ کبھی بھی کتابی کیڑا نہیں رہا تھا بلکہ وہ سکول کی ہم نصابی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا اور فٹ بال ٹیم کا کپتان تھا۔

سکول کی تعلیم کے آخر دو سالوں میں وہ سکول میگزین میں کہانیاں لکھنے لگا تھا۔

۱۹۱۷ء میں گریجویشن کرنے کے بعد وہ پہلی جنگ عظیم میں ایمبولینس ڈرائیور بن گیا یہاں اسے اپنی بہادری اور حوصلہ مندی دکھانے کا وافر موقع ملا۔ وہ مچھلیاں پکڑتا اور مچھلی پکڑنے کے مقابلوں میں کئی ٹرافیاں جیت چکا تھا۔ وہ باکسر بھی تھا اگر وہ باکسنگ کو سنجیدگی سے لیتا تو آسانی سے ایک دن ہیوی ویٹ چیمپئن بن سکتا تھا۔

افریقہ میں جانوروں کا شکار کھیلنے میں اس نے مہینوں گزارے۔ وہ شکار کا بہت شوقین تھا اور ایک اچھا نشانے باز تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں وہ سپاہی بھرتی ہوا اور اپنی جانبازی دکھانے کے اسے خاطر خواہ مواقع میسر آئے۔

اس نے کئی معروف اخبارات کے لیے کالم نگاری کی، جنگی صورت حال کی رپورٹنگ کی اور کئی اہم شخصیات کے انٹرویوز کیے۔ کینیڈا اور امریکہ میں ایک منجھے ہوئے صحافی کے طور پر وہ اپنی شناخت قائم کر چکا تھا۔ اس کی شخصیت کی بوقلمونی اور بے پناہ صحافی مصروفیت نے اسے دنیا کو قریب سے دیکھنے کا موقع دیا۔ اس نے لازوال ناول اور افسانے لکھے۔ اس کے فکشن کو نیوکلاسک کا درجہ ملا۔ ۱۹۵۴ء میں اسے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

اپنی عمر کے آخری حصے میں وہ دماغی امراض کا شکار ہوگیا۔ وہ زندگی کو اپنے طریقے سے گزارنا چاہتا تھا لیکن بیماریوں نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا۔ وہ لکھنا چاہتا تھا مگر بے بس تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگ اس سے ہر وقت یہی پوچھتے رہیں کہ آپ آجکل کس موضوع پر کام کر رہے ہیں؟

وہ باہر کی دنیا میں رہنے والا آدمی تھا۔ دوست، شراب، عورت، سیر و تفریح، کھیل تماشے اس کے لیے زندگی کے معانی تھے۔ اس نے ۲ جولائی ۱۹۶۱ء کو خود کو گولی مار کر ختم کر لیا۔ یوں اپنے وقت کی ایک بھرپور شخصیت کا خاتمہ ہوگیا۔ مگر اس کا کام آج بھی زندہ ہے۔

یہ ناول ہیمنگ وے نے ۱۹۵۱ء میں لکھا جب وہ کیوبا مقیم تھا۔ کتابی صورت میں آنے سے پہلے یہ ناول ''لائف'' میگزین امریکہ میں شائع ہوا اور کہا جاتا ہے کہ محض اس ناول کی وجہ سے لائف میگزین کی دو دنوں میں ۵۰ لاکھ کاپیاں فروخت ہوگئیں۔[1]

۱۹۵۲ء میں یہ ناول کتابی صورت میں چھپا اور Book of the Month قرار پایا۔ ۱۹۵۳ء میں اس ناول پر ارنسٹ ہیمنگ وے کو ادب کا Pulitzer prize ملا اور ۱۹۵۴ء میں اسے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

اس ناول کی اشاعت نے ہیمنگ وے کو بین الاقوامی شخصیت بنا دیا۔ یہ ناول دنیا کے بیشتر ممالک کے سکولوں میں نصاب کا حصہ بنا اور اسے نیوکلاسک کا درجہ ملا۔ اس ناول میں کیوبا کے ایک بوڑھے مچھیرے کی کہانی سنائی گئی جو کلف ندی پر مچھلیاں پکڑنے جاتا ہے مگر ناکام لوٹتا ہے۔ کہانی کا پلاٹ انتہائی سادہ اور خط مستقیم کی مانند سیدھا ہے۔

مچھیرے کا نام سینٹیاگو ہے جو ایک پر اعتماد، منکسر المزاج اور انسان دوست آدمی ہے۔ ناول کے آغاز میں بوڑھے کو ''بدقسمت'' کہا گیا ہے کیونکہ پچھلے چوراسی روز سے وہ سمندر میں مچھلیاں پکڑنے جا رہا ہے اور ایک بھی مچھلی اس کے ہاتھ نہیں آ رہی۔

پہلے چالیس روز ایک دس سالہ لڑکا مینولن بھی اس کے ساتھ جاتا تھا مگر ہر بار ناکامی کی وجہ سے مینولن کے والدین نے اسے بوڑھے کے ساتھ جانے سے منع کر دیا۔ بوڑھے کے لیے اکیلے شکار پر جانا بہت صدمے کی بات تھی کیونکہ مینولن اسے بادبان، رسیاں

اور دوسرے معاملات میں کافی مدد فراہم کرتا تھا۔ چوراسی روز تک خالی ہاتھ آنے کے بعد بوڑھا اگلے روز گہرے پانیوں میں جانے کا فیصلہ کرتا ہے وہ پر اعتماد تھا کہ اس دفعہ ضرور کوئی بڑی مچھلی اس کے ہاتھ لگے گی۔ کھلے سمندر میں پہنچ کر بوڑھے مچھیرے نے رسیوں کے کانٹوں پر سارڈین مچھلیوں کو بطور چارہ باندھا اور مختلف گہرائیوں میں ڈال کر مچھلی کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ تنہائی محسوس کرتا تو خود کلامی میں مگن ہوجاتا یا سمندری پرندوں سے باتیں کرنے لگتا۔

کبھی اسے بیس بال کا کھیل یاد آنے لگتا۔ وہ اس کھیل سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتا تھا۔Yankess ٹیم کے کھلاڑی ڈائی میگو کو وہ بہت پسند کرتا تھا۔ وہ اکثر مینولن کو ڈائی میگو کی فتوحات کے قصے سناتا تھا۔ سینٹیا گو اکثر اپنے ماضی میں گم ہوجاتا۔ وہ افریقہ کے ساحل پر شیروں کے متعلق سوچتا جو شام کے وقت سمندر کے ساحل پر اس طرح کھیلنے کے لیے آتے جس طرح بلیاں آپس میں کھیلتی ہیں۔

کھلے سمندر میں بوڑھے نے محسوس کیا کہ کوئی مچھلی اس کے چارے کو کھا رہی ہے۔ اسے لگا جیسے کوئی طاقتور چیز اس کی رسی کو کھینچ رہی ہے۔ سینٹیا گو نے سوچا کہ یہ ضرور مارلن مچھلی ہوگی۔ اس کا خیال سچ نکلا۔ مارلن سارڈین کھانے سے کانٹے میں پھنس گئی تھی اور کشتی کو اپنی طرف مسلسل کھینچ رہی تھی۔ دو دن اور دو راتیں مچھلی کشتی کو سمندر میں کھینچتی رہی اور دائروں میں گھماتی رہی۔ آخر مچھلی کی جدوجہد ختم ہوئی اور وہ سطح پر آ گئی۔ وہ مچھلی سینٹیا گو کے خیال سے بہت بڑی تھی اسے اپنی محنت کا ثمر نظر آ رہا تھا۔ بوڑھے نے پوری طاقت سے نشانہ لیا اور نیزے کو مچھلی کے دل میں پیوست کر دیا۔ بوڑھا بہت خوش تھا کہ اسے اپنی توقع سے بڑھ کر انعام ملا تھا مگر اس کی خوشی دیرپا نہ تھی۔ مچھلی کے خون کی خوشبو نے شارک مچھلیوں کو مارلن پر حملے کی ترغیب دی اور ان شکاری مچھلیوں نے مارلن پر حملے شروع کر دیئے۔ بوڑھے مچھیرے نے ہر دفعہ اپنے شکار کو بچانے کی کوشش کی مگر وہ شارک کے سامنے بے بس ہوگیا۔ اس کے سارے ہتھیار اور ڈنڈے ٹوٹ گئے اب وہ حالات کے رحم و کرم پر تھا۔ نتیجتاً شارک مارلن کا گوشت نوچ نوچ کر لے گئیں۔

جب بوڑھا واپس ساحل پر آیا تو اس کے کشتی کے ساتھ مارلن کی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ تھا۔ بوڑھا ظاہری طور پر شکست خوردہ تھا مگر مایوس نہیں تھا اس کی جیت دراصل اس کی جدوجہد تھی جو اس نے آخر لمحے تک برقرار رکھی۔ شکار کے اختتام پر وہ زخموں سے چور اپنے بستر پر ادھ موا پڑا ہوا ہے اور شیروں کے خواب دیکھ رہا ہے جو اس نے افریقہ کے ساحلوں پر دیکھے۔

سینٹیا گو دبلا پتلا بوڑھا تھا جس کی گردن جھریوں سے بھری ہوئی تھی اس کی جلد پر دھوپ کی وجہ سے بھورے رنگ کے دھبے پڑے ہوئے ہیں جو اس کی شناخت کی علامت تھے۔

سینٹیا گو بوڑھا ہو چکا تھا مگر اس کی خواہشات زندہ تھیں جب وہ کوئی ارادہ کر لیتا تو پھر اپنی بھرپور کوشش سے اس ارادے کو پورا کرنے کی کوشش کرتا اس میں وہ کامیاب ہو یا ناکام اس سے اسے کچھ غرض نہ تھی۔ جس قدر وہ اپنے کام میں جان لٹاتا اتنی اس کو شہرت نہ ملتی وہ شہرت کا خواہاں بھی نہیں تھا۔ اس کے شاگرد مینولن کے والدین اسے ''بدقسمت مچھیرا'' کہا کرتے تھے۔ دوسرے مچھیرے بھی اس کا مذاق اڑاتے اور چاہتے کہ وہ ریٹائر ہو جائے اور یہ کام چھوڑ دے۔ مگر وہ اپنے کام کا دھنی تھا اور اس میں خوداعتمادی کی انتہا تھی۔ وہ دنیا کو بتانا چاہتا تھا کہ ''عمر'' اور ''وقت'' نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ اس کی خواہشات آج بھی جوان ہیں وہ ناقابل شکست ہے وہ بدقسمت نہیں ہے اور ایک دن کامیاب ہوکر دکھائے گا۔

سینٹیا گو کے کردار میں ہمیں مہم جوئی اور دلیری نظر آتی ہے۔ اس کے اندر رومانویت بھی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ ان دیکھی دنیاؤں کو دریافت کرنا چاہتا ہے۔ فطرت سے اسے بے پناہ محبت ہے حتی کہ اس کے بادبان کی رسی پر بیٹھی ایک چھوٹی سی چڑیا سے اس کا دل بہل جاتا ہے۔ وہ مچھلی کا شکار کرنے کے لیے وسیع و بسیط سمندر کی گہرائیوں میں اترتا ہے۔ سمندر کی گہرائی اور نیلاہٹ سے زیادہ نیلی اور گہری اس کی آنکھیں ہیں جو ہر وقت نیچر میں کچھ نہ کچھ کھوجتی رہتی ہیں۔ وہ آنے والے حالات اور چیلنجز کے لیے ہمہ وقت تیار نظر آتا ہے۔ سمندر میں مچھلی کا شکار اس کے لیے ایک ایسی ہی مہم تھی جیسے ایک کوہ پیا عظیم چوٹیوں کو سر کرتا ہے یا ایک جنگجو سورما لڑائی کے میدان میں شجاعت کے کارنامے سرانجام دیتا ہے۔ وہ سمجھوتا کرنے والا یا بزدلی کا مظاہرہ کرنے والا نہیں تھا۔ اس کی نظر میں ہار یا جیت کوئی معنی نہیں رکھتے اس کی لغت میں فتح سے مراد جدوجہد کو قائم رکھنا ہے۔ جیسے ایک بُل فائٹر اس وقت تک ایک بدمست بھینسے سے لڑتا رہتا ہے جب تک وہ بھینسا مر نہ جائے یا وہ خود زخموں کی تاب نہ لاتا ہوا موت کے منہ میں چلا جائے۔ سینٹیا گو اپنے کام میں ماہر تھا۔ وہ کشتی رانی اور مچھلیاں پکڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا وہ بدلتے ہوئے موسموں کے تیور بخوبی پہنچانتا تھا۔

وہ تنہائی پسند ہے اور اکثر خیالوں میں گم ہوجاتا ہے وہ خود کلامیوں سے اپنا دل بہلاتا ہے۔ اپنی تنہائی کی اذیت کو کم کرنے کے لیے وہ خوابوں میں کھو جاتا ہے۔ جب مارلن مچھلی کانٹے میں پھنس گئی تو وہ اپنے شاندار ماضی کو یاد کرنے لگا۔ جب وہ جوان تھا تو بیس بال کھیلا کرتا تھا۔ اس نے فخریہ انداز میں اپنی اس پنجہ آزمائی کو بھی یاد کیا جو اس نے ایک حبشی پہلوان کے ساتھ کی تھی ایک دن اور ایک رات مسلسل وہ پنجہ لڑاتا رہا تب وہ کامیاب ہوا تھا۔ سینٹیا گو کی ہر کوشش میں ہمیں ہرکولیس سی طاقت نظر آتی ہے۔ ماضی کے خیال اور خواب اس کو مزید حوصلہ بخش دیتے اور اس کے وجود میں کامیابی کی امید بھر دیتے۔

ہمیں سینٹیا گو کے کردار میں ہمیشہ رجائیت نظر آتی ہے۔ وہ عظمت کا خواہاں ہے اس کے لیے وہ موت کے منہ میں اترنے کو بھی تیار ہے۔ جب شارک مارلن پر حملہ کرتی ہیں تو وہ اپنی کشتی کے ساتھ مضبوطی سے چمٹ جاتا ہے اور کہتا ہے۔

> ''جب تک میرے وجود میں خون کا ایک قطرہ باقی ہے میں ان سے لڑوں گا۔ میں نہ سمجھوتا کروں گا نہ ہتھیار پھینکوں گا۔''[۲]

وہ زخم خوردہ ہورہا تھا مگر اس نے مارلن کو نہ چھوڑا۔ شارک مارلن کو بھنبھوڑتی رہیں اور وہ ان سے نبرد آزما رہا۔ وہ اپنے آپ کو حوصلہ دیتا رہا۔ ''ایک آدمی تباہ تو ہوسکتا ہے مگر شکست خوردہ نہیں۔''

اس نے ثابت کردیا کہ حالات جس قدر بھی نامساعد ہوں اس کے پایہ استقلال کو لغزش نہیں آئے گی۔ اس وقت اس کا صبر و ہمت کا نقطہ عروج نظر آیا جب مارلن اسے تین دن سمندر میں گھماتی رہی اور وہ مچھلی کے رحم وکرم پر امید کا دامن تھامے رہا۔ حتی کہ مچھلی کو ہار ماننی پڑی اور وہ سطح سمندر آ گئی۔ وہ پانی کے مخالف اپنی کشتی کھینچتا رہا اور اپنے ایک ہاتھ سے مچھلی پر قابو پالیا کیونکہ دوسرا ہاتھ تو اس کا مفلوج تھا۔

اس کی جدوجہد جسمانی ہونے کے ساتھ روحانی سطح پر بھی تھی۔ آخری منظر میں وہ اپنی جھونپڑی میں جا کر سوگیا۔ اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور ہاتھ کھلے تھے۔ یہ انداز حضرت عیسیٰ سے مماثل تھا جب وہ صلیب پر مصلوب ہوئے تھے۔ اسینٹیا گو نے بھی

اپنے نظریات کی سولی پر اپنے آپ کو چڑھالیا تھا وہ کسی درویش کی مانند نظر آ رہا تھا۔

سینٹیا گو اپنی بہادری اور تمام تر ہمت کے باوجود ہمیں فلسفی بھی نظر آتا ہے۔ اس کا پہلا گناہ مارلن کو مارنا تھا مگر وہ جلد ہی اس گناہ کی تشفی یہ سوچ کر کرتا ہے کہ ''مچھلی کا شکار میرا پیشہ ہے''[۳] پھر شارک کو ختم کرنے کی ترجیح میں ایک فلسفیانہ دلیل دیتا ہے کہ

''ہر چیز دوسری چیز کو کسی نہ کسی طریقے سے مار رہی ہے''۔[۴]

وہ سوچتا ہے کہ ''خوش قسمتی'' کی تعریف اس کی زندگی میں کچھ اور ہے اس لیے وہ ایک تباہ شدہ مارلن کے ڈھانچے کو گھسیٹتا ہوا اپنے گھر لے آتا ہے۔ انسانوں کی سوسائٹی میں سینٹیا گو ایک یارباش شخص ہے لوگوں سے وہ کبھی نہیں لڑتا، مجلسی آدمی ہے دوستوں میں خوش رہتا ہے حتی کہ ایک بچے مینولن سے اس کی دوستی ہے۔ مگر وہ خود کو سمجھنے سے قاصر ہے ایک دفعہ مینولن سے کہتا ہے۔

''میں ایک عجیب انسان ہوں۔''[۵]

سمندری سفر سے واپسی پر ہمیں وہ (Samson) کی طرح نظر آتا ہے جس کی نظر میں مقدر، وقت اور عمر بے معنی اشیاء ہیں۔ وہ حدود وقت سے آگے نکل چکا ہے۔

ناول کا دوسرا اہم کردار دس سالہ لڑکے مینولن کا ہے۔ سینٹیا گو اور مینولن کی ملاقات ناول کے آغاز میں ہمیں نظر آتی ہے۔ مینولن بوڑھے مچھیرے کے ساتھ چالیس دن تک مچھلی کے شکار پر گیا۔ مگر ناکام لوٹا وہ بوڑھے کو چھوڑ کر کسی اور کشتی کے ساتھ جانے لگا حالانکہ لڑکا بوڑھے کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا وہ ہمیشہ بوڑھے کی مدد کیا کرتا تھا وہ رسیوں اور بادبان کو ترتیب دیتا۔ بوڑھے کو ناکام لوٹتے ہوئے وہ اداس ہو جاتا۔ لڑکے نے جب بوڑھے کے ساتھ جانا چھوڑا تو اسے بہت افسوس ہوا مگر وہ مجبور تھا۔

I am a boy and I must obey him.[۶]

میں چونکہ ان کا بیٹا ہوں اس لیے ان کی اطاعت مجھ پر لازم ہے۔

سینٹیا گو چھوٹے لڑکے کو اخلاقی اسباق بھی سکھاتا تھا۔ آداب مجلس اور کام کی عظمت کے درس دیتا۔ لڑکا بڑی دلچسپی سے اپنے استاد کی باتیں سنتا۔ سینٹیا گو اس لڑکے کا آئیڈیل ہیرو تھا۔ وہ اس کے لیے Best Fisherman (بہترین مچھیرا) کے الفاظ استعمال کرتا تھا۔ اسے کھانا لاکر دیتا اور پانی پلاتا۔ اپنے استاد کے لیے سارڈین (چھوٹی مچھلیاں) پکڑ کر لاتا۔ جب بوڑھا تین دن سمندر میں رہا تو لڑکا بہت متفکر تھا۔ وہ بار بار بوڑھے کی جھونپڑی کے چکر لگاتا یہ دیکھنے کے لیے کہ شاید وہ واپس آ گیا ہو۔

بوڑھے کو بھی بچے سے والہانہ پیار تھا۔ وہ مہم پر جانے سے پہلے بچے کو اپنے بڑھاپے اور تنہائی کا واسطہ دیتا ہے۔

''بڑی عمر میں اکیلے کھلے سمندر میں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ کاش لڑکا میرے ساتھ ہوتا تو رسیوں کو بھگو دیتا۔ وہ میرے مفلوج ہاتھ کو کھجلا دیتا۔''[۷]

جب بوڑھا واپس آیا تو لڑکے نے اس کا استقبال کیا اور اسے خوشخبری سنائی کہ اب وہ دوبارہ اس کے ساتھ مچھلی کے شکار پر جائے گا۔ لڑکا بوڑھے کے لیے صاف قمیض، کھانا، تازہ اخبار اور مرہم لایا۔ وہ سینٹیا گو کا فرض شناس بیٹا، فرمانبردار شاگرد اور قابل بھروسہ دوست تھا جسے وہ کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا تھا۔

یہ کہانی انسان اور بیرونی قوتوں کے درمیان مقابلے اور اپنے آپ کو منوانے کی جنگ ہے۔ہیمنگ وے نے یہ سوال حل کرنے کی کوشش کی ہے کہ انسان اپنی پوشیدہ قوتوں کو کس ڈھنگ میں بروئے کار لا کر کائنات کو مسخر کرتا ہے۔ ناول میں ظاہری طور پر ایک سیدھی سادی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جو دوسطروں سے زیادہ نہیں۔مگر اس بوڑھے نے آخر دم تک لڑائی کو جاری رکھتے ہوئے ہم پر ثابت کر دیا کہ فتح وشکست زندگی میں کوئی معنی نہیں رکھتے اصل سرمایہ حیات ''جدوجہد'' ہے ۔ جو اعلیٰ اقدار کا تعین کرتی ہے۔ یہ کہانی محبت، وفاداری، عاجزی اور قربانی جیسے لازوال جذبوں کی عکاس ہے۔

اگر اس ناول کو ہم ایک مذہبی تمثیل نگاری کے حوالے سے دیکھیں تو چند حقائق سامنے آتے ہیں مثلاً بوڑھا سینٹیا گو ایک مچھیرا ہے اور ایک استاد بھی ہے وہ ایک واعظ کی طرح مینولن کو اخلاقیات کے سبق سکھاتا ہے۔ اپنی لڑائی کے دوران وہ بے انتہا صبر کا مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے مفلوج زخمی ہاتھ کے ساتھ اپنے سے کئی گنا بڑی مچھلی کا شکار کرتا ہے۔ اس کا سردرد سے پھٹ رہا ہوتا ہے۔اس کی آنکھیں درد کی شدت سے متورم ہوجاتی ہیں حتیٰ کہ وہ خون تھوکتا ہے پھر بھی وہ مارلن کے دل میں نیزہ گھونپنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ جب بوڑھا تیسری شارک کو حملہ آور ہوتے دیکھتا ہے تو بے ساختہ اس کے منہ سے ''آہ'' نکلتی ہے۔ہیمنگ وے اس چیخ کی یوں وضاحت کرتا ہے کہ

> ''دنیا کی کسی زبان میں اس ''آہ'' کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا یہ ایک ایسی ''آہ'' ہے جو بے اختیار منہ سے نکلتی ہے جیسے ایک کیل ہاتھ کو چھیدتی ہوئی لکڑی میں ٹھونک دی جائے''۔[۸]

۳،۷اور۴۰ کا عدد بائبل میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس ناول میں بھی بوڑھا چالیس دن مینولن کے ساتھ بوڑھے کی لڑائی جاری رہی۔سات شارک مچھلیاں ماری گئیں۔بوڑھے کو سات دفعہ مستول کا سہارا لینا پڑا۔ خدا کے بارے میں ہیمنگ وے کا نظریہ ہے۔

> ''خدا انسانوں کی مدد کرنے زمین پر نہیں اترتا بلکہ ہمیں اس کی مدد سے خود منصوبہ سازی کرنی پڑتی ہے''۔[۹]

ہیمنگوے بیرونی امداد لینے سے جھجکتا ہے اس کے خیال میں ایک آدمی کو اپنے اوپر بھروسا ہونا چاہیے تا کہ وہ اپنی مردانگی دلیری اور جرأت کو آزما سکے۔ اسے تنہا کوشش کرنی چاہیے اس طرح اس کے جوہر زیادہ بہتر طور پر کھلتے ہیں۔ یہی سینٹیا گو کا مذہب بھی ہے۔

ہیمنگ وے کا فلسفہ آدمیت ''حرکت'' میں پوشیدہ ہے۔ اسے چاہنا یا چاہا جانا اچھا لگتا ہے۔میدان جنگ، باکسنگ کا اکھاڑا مچھلی کا شکار، جانوروں اور پرندوں کا شکار دلیری کے کام ہیں۔ سانڈ کی لڑائی بھی بے خوفی کا کام ہے کیونکہ اس کا اختتام بھی موت پر ہوتا ہے۔ ان مقابلوں میں جسمانی فتح کے ساتھ ساتھ روحانی بالیدگی بھی میسر آتی ہے۔ ہیمنگ وے کے نزدیک کسی کا مرنا اصل چیز نہیں ہے بلکہ کوئی کس شان سے مقتل میں گیا یہ اصل حیات ہے۔ اس ناول میں بھی موت کا جواز انسان یا مچھلی کے لیے خود بخود پیدا ہوگیا یہی اس ناول کا نکتہ عروج ہے کہ کسی ایک قوت کو غالب اور دوسری کو مغلوب ہونا تھا۔

> ''تم مجھے مار رہی ہو۔۔۔مچھلی۔
>
> باہر آؤ اور مجھے مار دو۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون کس کو ہلاک کرتا ہے''۔[۱۰]

سینٹیا گو عقل و دانش اور قوت برداشت سے مچھلی کو زیر کرتا ہے۔ جب شارک اس پر حملہ کرتی ہے تو وہ اعلانیہ کہتا ہے۔

A man ca be destroyed but not defeated

آدمی تباہ تو ہوسکتا ہے مگر شکست کا مادہ اس کے خمیر میں نہیں۔

سینٹیا گو سمندر میں اترنے کے ساتھ ساتھ اپنی ذات میں بھی اترتا چلا گیا۔ اس نے اپنے وجود کی طاقتوں کو دریافت کر کے عرفان ذات کا گیان حاصل کیا۔ اس نے سبق سیکھا کہ مارلن کو مارنا ایک گناہ تھا۔ اب اس گناہ کی سزا شارک کے حملے کی صورت میں اسے مل رہی ہے۔ اس سزا کی آگ میں جل کر وہ پاک ہوجائے گا۔ شارک کا آنا نہ تو بدقسمتی کا کوئی معاملہ ہے اور نہ کوئی اتفاقی حادثہ ہے۔ بلکہ اپنے الم ناک انجام کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ وہ خود کہتا ہے۔

I am Sorry that i killed the fish

ناول میں بہت سی علامتیں نظر آتی ہیں مثلاً ڈائی میگوDimaggio طاقت اور ہمت کا استعارہ تھا۔ اس کو بیس بال کے کھیل پر مکمل عبور تھا۔ لوگوں کا کہنا تھا کہ بہت کم کھلاڑی اتنی محبت عزت اور شہرت کماتے ہیں۔

سینٹیا گو بھی اپنے کام میں ماہر تھا وقت نے اسے بھی عزت، شہرت اور محبت سے نوازا۔ ڈی میگو نے ایڑی کے درد کے باوجود اپنا کھیل برقرار رکھا۔ سینٹیا گو بھی معذور تھا اس کی کمر زخم زخم تھی ہاتھ زخمی اور اکڑا ہوا تھا مگر شدید درد کے باوجود اس نے اپنی جدوجہد کو جاری رکھا۔

''شہروں'' کو بھی علامت کے طور پر ناول میں استحصال کیا گیا ہے۔ شیر جنگل کا بادشاہ ہے۔ ظالم ہے جسے چاہے ہڑپ کرسکتا ہے۔ سینٹیا گو کو یہ شیر ہمیشہ گروہ کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ جو کھیل میں مگن ہیں۔ شیر خونخوار ہیں مگر یگانگت کے رشتے میں پروئے ہوئے باہمی اتفاق دکھا رہے ہیں۔ ناول کے اختتام پر بھی بوڑھے کو شیروں کے خواب دیکھے نہ سمندری طوفان کے نہ کبھی کوئی مچھلی اس کے خواب میں آئی اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ صرف ان چیزوں کے بارے میں سوچتا تھا جو بہادری اور باہمی یگانگت کے جذبات ابھارتی ہوں۔

ایک اور علامت سینٹیا گو کی کشتی میں موجود ہے اور وہ صلیب نما مستول ہے ناول کے آخر میں ہم دیکھتے ہیں وہ مستول اٹھا کر گھر گھسیٹتا ہوا لے آتا ہے آخر میں چارپائی پر چت لیٹ جاتا ہے اس کی باہیں کھلی ہوئی اور انگلیاں اوپر کو اٹھی ہوئی ہیں جیسے حضرت عیسیٰ کی طرح وہ اپنے دکھوں کی صلیب پر چڑھ گیا ہو۔

انسان اس دنیا میں تنہا آیا اور تنہا ہی واپس لوٹ جائے گا۔ یہ ناول بھی تنہا انسان کی کہانی ہے۔ ہیمنگ وے کے الفاظ میں

Isolation is a Truth

کئی دفعہ سینٹیا گو اس حقیقت سے نظریں بھی چراتا ہے۔

No man was ever alone on the sea

لیکن مصنف نے سینٹیا گو کو تمام لوگوں سے الگ کر کے اس کا رشتہ اس کے خیالوں خوابوں اور خود کلامیوں سے جوڑ دیا ہے۔ لیکن یہ تنہائی اسے لوگوں کے زیادہ قریب کردیتی ہے۔ ہیمنگ وے نے یہی سکھایا ہے کہ آدمی لوگوں سے جتنا بھی دور چلا جائے

واپس اپنے لوگوں میں آ کر ہی اسے سکون ملتا ہے۔ اس سے باہمی انحصار اور بھائی چارہ پروان چڑھتا ہے۔ سینٹیا گو بھی جب واپس آیا تو سوسائٹی سے اس کے رابطے زیادہ مستحکم ہو گئے۔ وہ شروع میں بھی بدقسمت تھا اور آخر میں بھی کچھ حاصل نہ کر سکا۔ مگر اس بدقسمتی اور بعد کی کم نصیبی میں زمین آسمان کا فرق ہے کیونکہ اب وہ شکست خوردہ نہیں بلکہ فتح یاب ہے۔ اس کی عزت نفس اب مطمئن ہے۔

اس ناول میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خطرے سے بھڑ جانا ہی خطرے سے نجات کا باعث ہے اور انسان اپنے کردار کی تعمیر میں خود مختار ہے۔

حوالہ جات

1. Ernest Hemingway "The Sun also rises" Critical study, Lahore new kitab mahal, 1982,p27

۲۔ ''بوڑھا اور سمندر'' گولڈن نوٹس، ضیاالرحمٰن خان، لاہور، علی کتاب خانہ، ۱۹۹۹ء، ص ۳۹

۳۔ ایضاً، ص ۵۷

۴۔ ایضاً، ص، ۵۹

۵۔ ایضاً، ص، ۶۱

6. The old man and the sea, Ernest Hamingway Lahore, ilmi kitab khana, 1999, p.14

۷۔ ''بوڑھا اور سمندر'' گولڈن نوٹس، ضیا الرحمٰن خان، لاہور، علمی کتاب خانہ، ۱۹۹۹ء، ص ۲۴

۸۔ ایضاً، ص، ۳۵

۹۔ ایضاً، ص، ۴۱، ۴۴

۱۰۔ ایضاً، ص، ۴۱، ۴۴